ں۔ اس سے نہ صرف علماء کی اپنی حالت بہتر ہو جائے گی، بلکہ عوام الناس بھی غربت
ھنت سے نجات حاصل کرلیں گے۔

اس سلسلے میں ڈائرکٹر اکیڈمی نے بتایا کہ علماء کو بعض فنی کاموں کی ضروری تربیت کا انتظام ہماری اکیڈمی میں کیا گیا ہے، جس سے علماء کو خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکتا اور اُن کی وساطت سے دیہاتی عوام کی حالت بھی سُدھر سکتی ہے۔

ی اور اسلام

اس اجتماع میں علمائے دین نے بھی مقالات پڑھے اور مختلف فنون کے ماہرین نے بھی۔ مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ ل پور کا ترقی اور اسلام پر ایک طویل مقالہ پڑھا گیا۔ مولانا نے ترقی کے تصور اور کے محرکات پر بحث کرتے ہوئے آخر میں بتایا:۔

" ترقی سے ہماری محرومی اور ہمارا یہ زوال ترک اسلام کا نتیجہ ہے، ورنہ اسلام رقی تو لازم و ملزوم ہیں، جیسے آگ اور گرمی کا وجود وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مِنِينَ (تم سب قوموں پر غالب رہوگے اگر کامل مومن رہوگے)۔ اسلام کی گزشتہ خ قرآن کے اس فرمان کی صداقت کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی مختلف اقوام سے ئی۔ اور مسلمان سامان حرب اور تعداد میں اُن سے کم ہونے کے باوجود ہمیشہ فتح رہے۔ اس آیت کے مطابق تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تمام جدید آلات میں ترقی کریں کہ اگر مسیحی اقوام سے سبقت نہ لے جاسکیں تو کم از کم ان کے مساوی ضرور ۔ اور عالم اسلام اس کے لئے اپنی پوری قوت استعمال کرے۔

مولانا افغانی نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ خالیٰ نے ان چیزوں کو " بقدر طاقت فرض نہیں کیا، لیکن سامان جنگ اور اسباب دنیا کے متعلق فرضیت کا جو حکم دیا تھا اس میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت کا لفظ مال فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلم قوم یا حکومت دس لاکھ ہوائی جہاز یا بم یا دوسرا سامان بنانے کی طاقت رکھتے ہوئے اس میں کمی کریں تو حکم الٰہی کے ترک عہ سے سب گناہ گار اور مجرم قرار پائیں گے۔"

اس زمانے میں صنعتیں کتنی ضروری ہیں، اور یورپ نے جو ان میں ترقی کی ہے، اس سلسلے میں مولانا افغانی نے بتایا۔ یورپ کی ایک چیز یعنی اسباب ترقی اور تیاری آلات حرب تو اسلامی ہے، اور اس کی دوسری چیز تہذیب شیطانی ہے۔" ہم نے اپنی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے خوبی کو چھوڑ کر برائی کو اختیار کیا۔ صنعت کاری (جو درحقیقت ہماری ہی چیز ہے) میں تو ان کی پیروی نہیں کی، بلکہ تہذیب اور وہ بھی شیطانی تہذیب کو ہم نے اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔"

رفاہی کاموں میں علماء کا حصہ

اس موضوع پر مولانا محمد عبدالقدوس شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی نے اپنا مقالہ پڑھا!

مولانا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مدنی دور میں مسجد ہر قسم کی سرگرمیوں کا مرکز رہی۔ مذہبی، سیاسی اور اصلاحی ہر قسم کے کام اس مرکز میں انجام پاتے رہے، اگرچہ بعد کے ارتقائی مراحل میں یہ صورت قائم نہ رہ سکی، لیکن مولانا موصوف کے الفاظ میں

"تاہم ایک پہلو ایسا تھا جو مدۃ العمر مسجد ہی کے ساتھ وابستہ رہا اور وہ تھا عوام کی خصوصی اور عمومی تعلیم کا انتظام۔ قرونِ وسطیٰ میں مدارس کا ایک بڑا جال پھیلا ہوا تھا ہر بڑے شہر میں درسگاہوں اور مدرسوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ ان تمام درسگاہوں کی عمارت کی ترتیب یہ تھی کہ مسجد تعمیر کر کے ارد گرد درس گاہیں اور طلبہ کے لئے اقامت گاہیں تعمیر کی جاتی تھیں۔ اور جن چھوٹے دیہات میں فنڈ کی کمی کی بنا پر مستقل درسگاہ یا حجرہ بنانے کا انتظام نہ ہوسکا، وہاں مسجد ہی کا کمرہ درسگاہ اور اقامت گاہ دونوں مقاصد کے لئے استعمال ہونے لگا اور ہمارے دیہات میں آج بھی یہی معمول ہے۔"

گویا مسجد ان تمام صدیوں میں عبادت گاہ بھی تھی اور مدرسہ بھی۔ اور امام مسجد امامت کے ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اس لئے معاشرہ میں اس کا بڑا احترام تھا۔ مولانا عبدالقدوس نے بتایا:۔

"مسجد ؟ں عالم نے اور خانقاہ میں صوفی نے اپنے ارشاد کی بدولت تاریخ
لی ان طویل صدیوں میں اخلاق اسلامی کی نشرو اشاعت کی اور عوام و خواص کو
عمل پر آمادہ کیا . . . . . سید احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ جیسے مجدد انہی مراکز
ہوئے اور خطۂ کشمیر میں اسلام کے اولیں نقیب شاہ ہمدان اور عبدالرحمٰن
اہ بھی انہی دو مراکز کے فارغ التحصیل تھے۔"

مولانا نے فرمایا کہ اس دور میں ہمارے علماء اور ائمہ مساجد کو اصلاحِ عوام کی
اری پھر اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔" وہ دوبارہ عوام کی اصلاح کے لئے اٹھیں
طریقوں سے اصلاح کا کام شروع کریں، جن طریقوں سے ابتدائی دور میں کام
۔ اس کے بعد مولانا نے نئی اصلاحی تحریک کے ضمن میں اپنی چند تجاویز پیش کیں
سے ایک تجویز یہ تھی ۔۔ جہاں تک ہو سکے ائمہ اور علماء کسب معاش کے آزاد وسائل
ں تاکہ غربت اور دوسروں پر انحصار اُن کے اخلاق و نصائح کی وقعت میں کمی پیدا
ذریعہ نہ بنے۔" نیز یہ کہ "جس طرح ہمارے عروج کے دور میں مسجد ہمارا اجتماعی
، اُسے اسی طرح دوبارہ مرکز بنانے کی کوشش کی جائے۔"

م اور کسبِ معاش

مولانا محمد جعفر پھلواری نے اپنے اس مقالے میں بتایا کہ
دنیا میں کوئی جائز پیشہ حقیر نہیں۔ ذلیل پیشہ دنیا میں
ٹ ہے اور وہ ہے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا ۔ موصوف نے اس مضمون کی
ادیث نقل کیں، جن میں محنت سے روزی کمانے والے کی تعریف کی گئی ہے ۔
ہ فرمایا : ۔

. . . . سیدنا ابوبکر صدیق رض کپڑے کی تجارت کرتے تھے ۔ سیدنا علی مرتضیٰ رض کہیں
نا پتے تھے اور کہیں رہٹ چلاتے تھے ۔ حضرت عثمان ذوالنورین رض، حضرت عبدالرحمٰن
، حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض وغیرہم تجارتی کاروبار کرتے تھے اور یہ سب عشرہ
کے افراد ہیں ۔ خود حضور ؐ اور صحابہ رض کی زندگیاں اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ
ملال کے پیشے صرف جائز ہی نہیں، بلکہ ضروری بھی ہیں اور فقط ضروری نہیں،

بلکہ عین عبادت ہیں "

معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں علماء و ائمہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مولانا پھلواری نے کہا کہ اصلاح میں دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک اخلاقی اصلاح اور دوسری معاشی اصلاح۔ اخلاقی اصلاح سے آبادی کے اندر امن چین نصیب ہوگا۔ آبادی کی معاشی اصلاح کے بغیر بہت سی اخلاقی اصلاحیں بھی نہیں ہوتیں۔ ان تمام کاموں کے لئے جن سے گاؤں والوں کی معاشی حالت بہتر ہو، ائمہ اپنا پورا اعتماد قائم کرکے ان کو مختلف کاروباری تعاون کی ترغیب دینی چاہیئے۔

دیہاتی زندگی کے ارتقاء میں علماء اور ائمہ مساجد کا کردار

اس موضوع پر مولانا محمد حنیف ندوی نے مقالہ پڑھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اور مذاہب کے برعکس اسلام روحانیت اور مادیت دونوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے " یہ دل کا مذہب بھی ہے اور ذہن و فکر کا بھی۔ اس سے ایک فرد بھی کسب ضیا کرتا ہے اور پورا معاشرہ بھی۔ یعنی یہ وہ اکسیر ہے جس میں دین و دنیا کے فوائد جمع ہیں ..... قرآن کی اصطلاح میں نیکی یا خیر کا "اطلاق" صرف دینی نیکی ہی پر نہیں ہوتا اس کا اطلاق صرف عبادات اور رسوم و شعائر ہی کی حد تک سمٹا ہوا نہیں، بلکہ اس کی وسعتیں عمل کی ہر اس شکل کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں، جس سے انسانیت کو کوئی فائدہ یا منفعت حاصل ہو سکے "

علماء اور ائمہ مساجد کسانوں کو ذہنی تربیت دے کر اُن سے زرعی ترقی کے سلسلے میں بہت کام لے سکتے ہیں۔ یہ ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور دیہاتی آبادی سے ان کا قریب ترین تعلق ہے۔ اس کے لئے مولانا کے الفاظ میں۔

" ضروری ہے کہ ہم علماء اور ائمہ مساجد کی اس سلسلہ میں خدمات حاصل کریں۔ ان کے لئے ایسا تربیتی کورس مقرر کریں جو اُن کو ایک طرف تو پیداوار بڑھانے کے جدید ترین ذرائع سے آگاہ کرے اور دوسری طرف ان میں یہ جذبہ پیدا کر سکے کہ توحید و

سنت کی اشاعت کے پہلو بہ پہلو انہیں اس لگن کے ساتھ اپنے ملک میں اور اپنے دیہات میں کسانوں کی معاشی حالت سنوارنے اور پیداوار کی موجودہ شرح کو بڑھانے کے لئے ان تھک محنت بھی کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ حضرات اگر اپنے لائحہ عمل میں یا روزمرہ کی مفوضہ دینی خدمات کے دائرہ میں ان چیزوں کو بھی داخل کرلیں اور اسلام نے مادی وروحانی زندگی میں جو حسین امتزاج پیدا کیا ہے، اس کی روح کو حقیقتاً سمجھ لیں تو آپ یقین جانیں ہم اپنے ملک کو چند ہی سالوں میں ترقی کے بام بلند تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

مولانا حنیف صاحب نے اپنا مقالہ ان الفاظ پر ختم کیا:۔

" (علماء اور ائمۂ مساجد) لوگوں کے دلوں پر اس حقیقت کو نقش کرنے کی کوشش کریں کہ اسلامی نقطہ نظر سے اچھا لباس، اُجلے دیہات اور اُجلی تہذیب و ثقافت نہ صرف اچھی صحت کے ضامن ہیں بلکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو قلب وضمیر میں اچھے اور صحت مند جذبات کی تخلیق کرتی ہیں۔

مولانا نورالحق ندوی ڈین اسلامیہ کالج پشاور نے " اسلامی ممالک میں علماء کا کردار عوامی ترقی میں" کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ جس میں انہوں نے سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی اُن خدمات کا ذکر کیا، جو مصر کی عام فلاح و بہبود اور اصلاحِ معاشرہ میں ان بزرگوں نے کیں۔ موصوف نے اخوان المسلمین اور الجزائر و مراکش کے علماء کی اصلاحی جدوجہد پر روشنی ڈالی اور اس طرح علمائے پاکستان کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کرائی۔

طفیل احمد قریشی نے " دیہی ترقی کے لیے ہمارے ائمہ کیا کر سکتے ہیں" کے ضمن میں بعض بڑی مفید تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے مساجد میں پرائمری مدرسے کھولنے اور لائبریریاں قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ نیز بتایا کہ بجائے اس کے کہ آج کل کی طرح وعظ وارشاد زیادہ تر دوسرے فرقوں کے ابطال اور ایک دوسرے کے مذہبی زعماء کی تنقیص تک محدود ہو،" ہمارے علماء جو عوام کے لئے مؤثر ترین مبلغ ہیں اگر دیہی علاقوں میں

جمعہ، عیدین اور روزمرہ کے خطبات میں فضول رسموں، معاشرتی برائیوں اور عصری مسائل پر بصیرت افروز روشنی ڈالنے کا عزم کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ میں اُن کی اعانت مثال بن جائے ۔"

"علماء اور دینی تعلیم" پر ڈاکٹر شہیرالدین علوی نے مقالہ پڑھا۔ ماضی میں مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنے کے بارے میں علماء کے کارناموں کو مقالہ نگار نے ان الفاظ میں بیان کیا:۔

"مسلمانوں کے دورِ حکومت میں خواندگی کے عام ہونے کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ تعلیم و تعلم کو مسلمان عملاً اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ اور یہ طریقہ مسلمانوں کے ہاں آخری دور تک رہا، بڑے بڑے عہدے دار بھی تعلیم کے مشغلہ کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے حتیٰ کہ اُس زمانے کے جج، مفتی، صدر الصدور وغیرہ کے مکان یا دیوان خانے یا محلہ کی مسجدیں مستقل درس گاہوں کی حیثیت رکھتی تھیں . . . . انگریزی حکومت کے زمانے میں بھی ان غریب مولویوں نے سلف کے اس طریقے کو حتی الوسع باقی رکھنے کی کوشش کی۔ کلکتہ کو دارالسلطنت بنا کر انگریزوں نے کاکوری سے مولانا نجم الدین کاکوری کو طلب کیا اور اُن کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا۔ قاضی نجم الدین مرحوم باوجود اتنے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہونے کے طلبہ کو مفت درس و تدریس دیا کرتے تھے۔ بلکہ غریب طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام بھی اپنی جیب سے کرتے تھے۔ اس دستور کو ہمارے علماء نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانہ میں بھی جاری رکھا ۔"

مقالہ نگار نے علماء کی ان خدماتِ تعلیمی کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔ "یہ تھا علماء کا وہ شاندار کردار جس نے مسلمانوں میں دینی تعلیم اور خواندگی کو عام کر رکھا تھا۔ ہمارے علماء کرام پھر عوام میں علم کی روشنی پھیلا سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسجد مدرسہ ہو جس میں مقامی علماء اور امام صاحبان قدیم درس و تدریس کی روایات کو پھر زندہ کریں ۔"

دین و دُنیا

"دین و دنیا" کے موضوع پر ڈاکٹر تسخیر احمد پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کینٹب ماہر تحفظِ نباتات نے ایک مقالہ پڑھا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے بارے میں کہا۔ "میرے والد بزرگوار منشی فاضل اور مولوی فاضل تھے۔ اور لاہور میں سنٹرل موڈل سکول اور ٹریننگ کالج میں عربی اور فارسی پڑھاتے ریٹائر ہوئے۔ میں نے زراعتی کالج لائل پور سے پنجاب یونیورسٹی کی زرعی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سائنس کی اعلیٰ تعلیم گاہ یعنی کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ سے سائنس کی شاخ علم الحشرات میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان اور پاکستان میں تقریباً ۴۰ سال کی سروس کے بعد ڈائرکٹر تحفظ نباتات کے عہدے سے دو سال ہوئے ریٹائر ہوا۔"

مقالہ نگار نے بتایا کہ مجھے اپنی سروس کے دوران بہت سے ملکوں میں جانا پڑا اور میں نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور خدا کے فضل سے میں نے ہر جگہ پابندی کے ساتھ نمازیں ادا کیں۔

سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد موصوف نے جیسا کہ انہوں نے فرمایا "آستانہ عالیہ سیال شریف ضلع سرگودھا میں ایک ایسے دارالعلوم کے توسیعی پروگرام کی نظامت کی ذمہ داری اٹھائی ہے جس کا نصب العین علم دین کی تعلیم کے ساتھ طلباء کو علوم دنیوی سے پوری طرح آگاہ کرنا ہے۔ درسی نظام کے ساتھ انگریزی، جدید سائنس اور فن زراعت کی تدریس لازمی قرار دی گئی ہے تاکہ اس ادارے کے فارغ التحصیل طلباء دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے علاوہ جدید زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کی بھی بدرجہ اتم اہلیت رکھتے ہوں۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سیال شریف کے ملحق تقریباً دو مربع اراضی میں دارالعلوم ضیاشمس الاسلام کی ایک وسیع جدید عمارت تعمیر کی جارہی ہے، جس کے تدریسی کمرے تقریباً مکمل ہوچکے ہیں لیکن ابھی دارالاقامہ اور مسجد وغیرہ کی تعمیر باقی ہے۔ اس وقت کوئی ڈیڑھ سو کے قریب طلباء مختلف درجات میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جن کی رہائش اور خوراک کا انتظام دارالعلوم کے ذمے ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ سب اس لئے کیا جا رہا ہے کہ

"اس طرح علماء اور نئی روشنی کے طبقہ کے درمیان موجودہ خلا دور ہو جائے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً کے مصداق پاکستان دین اور دنیا دونوں میں ترقی کرے۔"

ڈاکٹر تسخیر احمد کا یہ مقالہ بڑا ہی پُر مغز اور علماء کرام کے لئے نہایت ہی معلومات افزا اور مفید تھا۔ اُس کی اس اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اُس کے چند مختصر اقتباسات یہاں دیئے جاتے ہیں۔

اس سمع خراشی سے میرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ دین و دنیا ہر حالت میں ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں بشرطیکہ دین کی محبت ایسی ہو کہ کوئی دنیاوی کام اس کے ضروری اصولوں میں مخل نہ ہو۔ آپ سب دین کے عالم ہیں اور جانتے ہیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام میں رہبانیت نہیں۔ اسلام میں دینی اور دنیوی معمولات ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ دین سب معمولات پر حاوی ہے، خواہ وہ کاشت کاری ہو یا تجارت۔ صنعت کاری ہو یا حکومت چلانے کے طریقے ہوں۔ حتیٰ کہ ہمارا اٹھنا، کھانا پینا سب عین دین ہیں اگر اسلام کے طریقوں کو مدنظر رکھ کر کئے جائیں۔

اگر یہ اصول صحیح ہے تو پھر علماء اور حاکموں کے درمیان، طالبانِ دین اور سائنس دانوں کے درمیان تصادم کیوں۔ ایک زمانہ تھا جب مذہب کا مقابلہ فلسفہ سے تھا جس کی بنیاد وہم پر تھی۔ آج مذہب اور سائنس کا مقابلہ ہے۔ حالانکہ سائنس کی بنیاد مشاہدہ پر ہے اور کسی چیز کے غور و خوض اور مشاہدہ کو اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، بلکہ قرآن مجید میں جا بجا قدرت کی چیزوں کو استعمال میں لانے کے لئے غور و خوض کرنے والوں کے لئے نشانیاں بتایا ہے۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔

میرے خیال میں ان دو مخالف سمتوں میں جانے والے گروہوں کو ہم آہنگ اور ہم خیال کرنا ہمارے ملک کا اہم ترین مسئلہ ہے اس کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ

ایک طرف علماء کا مطالعہ وسیع اور سائنٹفک ہو۔ سائنس کے اصولوں اور انگریزی لٹریچر سے واقفیت ہو اور دوسری طرف حکام سائنس دانوں اور تمام دنیا داروں کو دین کے اصولوں کی تعلیم لازمی قرار دی جائے تاکہ سائنس اور دنیا کی مادی ترقی کو دینِ متین کی روشنی میں سمجھیں اور اسلام پر مستحکم رہیں۔

میں مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک عالم صاحب جمعہ کی تقریر میں حاضرین کو بتا رہے تھے کہ ایک تانبے یا پیتل کے جگ میں سے پانی باہر نہیں نکل سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ جب اسی جگ میں برف ڈال دی جائے تو پانی کے قطرے دھات سے باہر نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حاضرین میں انگریزی خواں اور سائنس داں طبقہ کے دلوں پر کیا مضحکہ خیز تاثرات گزرے ہوں گے جو جانتے تھے کہ پانی کے قطرے باہر نہیں نکلے بلکہ ٹھنڈک کی وجہ سے باہر کی ہوا سے اس کی نمی برداشت نہیں ہو سکی اور شبنم کی طرح ٹھنڈی سطح پر قطرے بننے شروع ہو گئے۔ اس طرح کے کئی اور واقعات سننے میں آتے ہوں گے جو صرف سائنس کے اصولوں کی لاعلمی سے ظہور میں آتے ہیں۔

غور کیجئے کہ خالقِ حقیقی نے بنی نوعِ انسان کو تخلیق فرما کر اور اشرف المخلوقات کے اعزاز سے نواز کر دنیا میں بھیجا اور اس کے رہنے سہنے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں جملہ اسباب پیدا فرمائے۔ انسان کو اپنی فطرتی ضروریات کی تکمیل کے لئے مختلف راہیں تلاش کرنی پڑیں، مگر اپنی عقلِ سلیم کے باوجود وہ اچھے بُرے کی کما حقہٗ تمیز سے قاصر رہا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اصلاحِ معاشرہ اور تہذیبِ انسانیت کی خاطر مختلف زمانوں میں انبیا اور رسول علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ لوگوں کو تخلیقِ کائنات کا اصل مقصد بتائیں اور امر و نہی سے روشناس کرا کر ان کو جزا اور سزا سے آگاہ کریں۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل مختلف پیغمبروں کے ذریعے جتنے دین آئے وہ اپنے زمانہ کے مخصوص حالات میں تو یقیناً کامیاب رہے لیکن ان میں تا ابد فطری مذہب

ہونے کی صلاحیت نہ تھی۔ یہ صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبۂ عالی تھا کہ ایک ایسے مکمل دین فطرت کے ساتھ مبعوث ہوئے جو ہر زمانہ اور ہر صورت میں مفید اور قابلِ عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دین و دنیا دو مختلف ناقابل اجتماع ضابطے متصور ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص دینی امور میں تخصیص کرتا تو دنیا کے ساتھ اس کا کوئی خاص علاقہ نہ رہتا۔ اسی طرح دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے والوں پر دین کے دروازے بند سمجھے جاتے۔ بدیں وجہ انسانی معاشرہ دو مستقل گروہوں میں بٹ کر رہ جاتا۔ آخر حضور کریم کی وساطت سے نوعِ انسانی کو ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات عطا فرمایا گیا جس میں دین و دنیا دونوں سے بیک وقت استفادہ کی راہیں پائی جاتی ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دین دنیا کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دنیا کو دارالعمل قرار دے کر اس میں زندگی گزارنے کے لئے ایسے زریں اصول بتائے گئے جن پر کاربند رہ کر نہ صرف دنیا سے ہی مناسب فائدہ حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اس کے ساتھ دینی برکتوں سے بھی بخوبی استفادہ ہو سکتا ہے۔

آج کی دنیا اپنی تمام ترمادی ترقی کے باوجود انتہائی انتشار و پریشانی کا شکار ہے۔ سائنس کے محیرالعقول ایجادات کی بدولت ظاہری اسباب آرام و آسائش کے ہوتے ہوئے بھی انسانیت جتنے خطرات سے آج دوچار ہے، پہلے کبھی نہ تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سوسائٹی اسلام کے پیش کردہ نظام حیات سے عاری ہے اور جب دنیوی امور میں دین کے اصلاحی پہلو شامل نہ ہوں تو انسانیت اخلاقی انحطاط کی گہرائیوں میں جا گرتی ہے اور پھر اس کے دامن میں سوائے بوالہوسی اور بے اطمینانی کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے

جُدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دعا مانگو تو کہو:۔

"اے ہمارے رب ہمیں دین دنیا اور آخرت کی بھلائی اور عافیت عطا فرما۔"

. . . . . اگر ہمارے علماء کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی مضامین اور سائنس کے اصولوں سے آگاہ کیا جائے تو وہ دورِ حاضر کے تقاضوں اور مادی ترقیوں کو سمجھ کر دین کے اصولوں کو سائنس دانوں اور نئی روشنی کے طبقے تک کامیابی سے پہنچائیں اور ثابت کریں کہ دین اور دنیا میں اور عالموں اور سائنس دانوں میں کوئی تصادم نہیں۔

اس وقت کے سائنسی دور میں اگر دین کو دنیا کے سامنے ایک قابلِ عمل ضابطے کی صورت میں پیش نہ کیا گیا تو ترقی پسند طبقہ مذہب سے یکسر آزاد ہو کر لامذہبی میں پڑ جائے گا اور جب مذہب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو ہماری قوم ان تمام اخلاقی اور روحانی قدار سے محروم ہو جائے گی۔ جو دنیا میں ہمارے لئے طُرّۂ امتیاز کا درجہ رکھتے ہیں۔

دنیا میں مذہب اور مادیت کی اس کشمکش میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں نے محض اس لئے مذہب سے دامن چھڑا لیا ہے کہ ان کا دین بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے سے قاصر ہے لیکن دین اسلام میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ زمانے کے ہر چیلنج کا مقابلہ کر سکے۔ کیوں کہ یہ مکمل ترین دین ہے جو ہر عہد کی ضرورتیں بدرجۂ احسن پوری کر سکتا ہے۔ اب یہ علمائے کرام کا کام ہے کہ دینی احکام کو قوم کے سامنے اس طرح پیش کرے کہ یہ عصری تقاضوں کی تکمیل میں۔ بجائے مزاحم ہونے کے مُمد ثابت ہوں۔

ظاہر ہے کہ عوام کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی اولین ذمہ داری علماء حضرات پر عائد ہوتی ہے کیونکہ ان صاحبان کو ہمارے معاشرے میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہے اس کی بدولت اس کام کو اوروں سے کہیں زیادہ خوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔

آپ حضرات کو ایسے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کرنا ہے اور ایک ایسا ماحول پیدا کرنا ہے جس میں مادی ترقی بھی ہو سکے اور روحانی اور اخلاقی قدار بھی فروغ پائیں۔

عیسائی علماء اور سماجی ترقی

ایک اور بڑا اچھا مقالہ جو اس سیمینار میں ایک خاتون مس تسنیم قادر میاں نے پڑھا "عیسائی علماء اور سماجی ترقی" کے موضوع پر تھا، جس میں موصوفہ نے بتایا کہ کس طرح سرزمین پاک و ہند میں

عیسائی مشنریوں نے تکلیفیں اٹھا کر سماجی فلاح و بہبود کی کوششوں کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ انہوں نے کئی ایک مشنریوں کا ذکر کیا اور ان کے بڑے سبق آموز حالات و کوائف بتائے۔

پادری فورمین جس کے نام سے اب بھی لاہور میں ایک مشہور کالج ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے موصوفہ نے بتایا وہ جنوری ۱۸۴۸ء میں کلکتہ آیا، وہاں سے لدھیانہ پہنچا۔ اس نے پنجاب میں مختلف مقامات پر اسکول قائم کئے جن کے ذریعہ وہ عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ ایک بار فورمین نے لاہور کے قریب گاؤں میں ایک پرانی مسجد اور اُس کے قریب کی زمینیں خرید لیں اور ایک عرصے تک اس مسجد میں مقیم رہا۔ ۱۸۶۴ء میں فورمین کے پاس ایک بہت بڑا اسکول تھا جس کی بیس شاخیں تھیں اور جس میں اٹھارہ سو طالب علم تھے۔ اُس نے فورمین کالج بنایا۔

ایک اور پادری کے حالات مس تسنیم نے یوں بیان کئے:۔

ڈاکٹر تھیوڈر لائٹن پینل ایم۔ ڈی ایک مشہور ڈاکٹر تھا، جس نے مشنری خدمات سرانجام دیں۔ وہ ۱۸۹۲ء میں کراچی پہنچا۔ وہاں سے وہ ڈیرہ اسمٰعیل خان گیا۔ جہاں وہ عام لوگوں کے ساتھ رہتا، ان کی زبان سیکھتا اور ان کا علاج کرتا۔ وہ ہمیشہ پٹھانوں کے لباس میں رہتا۔ اس نے مسعود اور وزیری قبائل میں بڑا کام کیا۔ ۱۸۹۳ء میں وہ اردو و پشتو کا ماہر ہوگیا، اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا۔ اس نے ڈیرہ اسمٰعیل خان و بنوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی۔ اور ۱۸۹۳ء میں پشتو کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ بنوں کے ایک عیسائی جہان خان کے ساتھ اپنی دواؤں کے بکسوں کو ایک گدھے کی پیٹھ پر لاد کر پیدل چلتا۔ وہ دوا و علاج کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ اور راتوں کو گاؤں میں پھرتا۔

۱۸۹۷ء میں پینل لاہور آیا۔ جہاں اس نے ایک پریس خریدا۔ جس سے اس نے بنوں میں ایک اخبار تحفۂ سرحد شروع کیا۔ اس نے داڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ پگڑی اور کلہ پہنتا، اور موقع کے مطابق افغانی، وزیری، پشاوری، خان اور ملا کے لباس

پہن لیتا۔ اور وضع قطع سے افغان نظر آتا۔

ایک دفعہ جب اس پر اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع ہوگئی، تو وہ بڑی مشکل سے نکل سکا۔ اور اس کو ایسے موقعے بہت پیش آئے، لیکن وہ ہمیشہ صبر کرتا اور لوگوں کی خدمت سے باز نہ آتا۔

۱۹۰۴ء میں پینل نے سادھوؤں کے لباس میں پنجاب اور ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ جہاں وہ دن بہت فقر و فاقے سے گزارتا رہا۔ جہاں سے وہ گجرات، جلال پور جٹاں اور وزیرآباد گیا۔ وزیرآباد سے وہ ڈسکہ اور پسرور گیا۔ اور اس طریقے سے پنجاب کے تمام علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ وہ نارووال، بٹالہ اور قادیان بھی گیا۔ لیکن مرزا غلام احمد کی بیماری کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ کر سکا۔ پنجاب سے پینل لدھیانہ کی طرف سے سہارنپور گیا۔ اور وہاں سے دہلی اور مظفرنگر کی راہ رڑکی پہنچا۔ جہاں اس نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ وہاں سے وہ ڈیرہ دون، مرادآباد، متھرا ہوتا ہوا آگرہ گیا . . . . . "

یہ تو وہ مقالات تھے، جن کا تعلق علماء کرام کے خصوصی مسائل سے تھا۔ سیمینار میں ایسے مقالات بھی پڑھے گئے جن کی نوعیت دیہات کے ترقیاتی کاموں سے تھی۔ ان مقالوں کے عنوانات یہ تھے:۔ ہماری زراعت، انسانی زندگی میں جانوروں کا کردار۔ ماہی پروری۔ امداد باہمی کی تحریک۔ پاکستان میں صنعتی ترقی۔ بیماری کا تاریخی پس منظر مکئی کے تنے کی سنڈی۔ مگس بانی۔ بنیادی جمہوریتوں کا نظام اور دیہی ترقی۔

سیمینار ڈائرکٹر اکیڈمی برائے ترقی دیہات محمد مسعود صاحب کے اس اختتامی خطبہ پر ختم ہوا۔ اس خطبے کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

موصوف نے علماء کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مقام مسرت ہے کہ آپ کا سات روزہ ٹریننگ پروگرام آج نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔ ان سات دنوں میں آپ نے لاہور، کراچی اور راولپنڈی سے آئے ہوئے مشہور علماء کی تقریریں سنیں اور حکومت کے فنی ماہرین کی تقریریں بھی سنیں اور عملی تربیت بھی حاصل کی۔

علماء نے آپ کے سامنے ایک نئے رنگ میں دین و دنیا کا رشتہ بیان کیا ہے۔ تقریباً ہر مقرر نے اس بات پر زور دیا ہے اور دنیا کی بہتری کے ساتھ دین کی ترقی ممکن ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ روحانی بیداری کی خاطر لوگوں کی مادی حالت کو ٹھیک کرنا از بس لازمی ہے۔ اور اس سلسلے میں علماء کرام پر پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔"

اس کے بعد فنی ماہرین کی تقریروں کا ذکر کرتے ہوئے مسعود صاحب نے کہا۔

ان فنی ماہرین نے آپ کو بتایا کہ بیماریاں کیسے پیدا ہوتی ہیں، خدا کی زمین میں رزق پیدا کرنے کی کس قدر طاقت ہے اور یہ کہ کم پیداوار کی وجہ ہماری غفلت ہے۔ ماہرین نے یہ بھی بتایا کہ مرغیوں اور مویشیوں سے زیادہ سے زیادہ کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ کو بعض اور مفید چیزوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئیں، مثلاً یہ بتایا گیا کہ اگر شہد کی مکھیاں پالی جائیں تو ہر ماہ اچھی خاصی آمدنی ہو سکتی ہے۔ نیز سبزیاں کاشت کرنے کے فوائد بتائے گئے۔ فرسٹ ایڈ یعنی معمولی مرہم پٹی کا طریقہ، چیچک کا ٹیکہ لگانے کا طریقہ بتایا گیا۔ یہ ٹریننگ آپ کے لئے بہت مفید ہوگی اور آپ اس طرح اردگرد کے لوگوں کی خدمت کر سکیں گے۔

آخر میں مسعود صاحب نے اپنا خطبہ علماء کرام سے اس پرخلوص اپیل کے ساتھ ختم کیا۔

"حضرات! ہمارا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے متعلق بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا ہے۔ جس وقت میں اس اجتماع کے انتظامات میں مصروف تھا، کئی ایک لوگوں نے مجھ سے کہا کہ علماء اور مولویوں کو بلا کر تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اور تم پر بھی یہ مولوی ایسے کفر کے فتوے لگائیں گے کہ تمہارا جینا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مجھے علماء دین پر کامل اعتماد ہے، میں ان کا خادم ہوں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا کر وہ کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ اور انشاءاللہ یہی علماء اب کفر کے فتوے دوسروں پر بھی نہیں لگائیں گے۔ عقیدوں کی بنا پر ایک دوسرے کو کافر نہیں کہیں گے، بلکہ اب عمل کی بنا پر لوگوں پر کفر کے فتوے صادر کریں گے۔ دیہات میں بیماری

پھیلانے والے لوگوں پر، خدا کی زمین پر محنت نہ کرنے والے لوگوں پر، قرضہ لے کر ادا نہ کرنے والوں پر، بے ایمانوں پر اور غداروں پر کفر کے فتوے لگائیں گے اور یہی علماء اب ترقی اور خوشی کے علمبردار ہوں گے۔"

"میں ائمہ سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھیں۔ اپنی غربت کا خیال کریں، کیونکہ آپ کی غربت اور افلاس دیکھ کر ہر مسلمان کو اپنے دین پر شرم آتی ہے۔ جس دین کے علمبردار اور جس نبی کے وارثان اتنی خستہ حالت میں ہوں، اس دین کی اور اس نبی کی عزت لوگوں کے دلوں میں کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ اپنی پوری کوشش اس کام پر صرف کریں جس سے جلد از جلد آپ کی اور عوام کی غربت اور جہالت کا قلع قمع ہو سکے۔ جیسے ہی اس میدان میں کامیابی ہوگی، ویسے ہی روحانی اور دینی اُمور میں بھی کامیابی ہوگی۔"

"اس وقت آپ کے اسلامی دارالعلوم بُری حالت میں ہیں۔ کوئی سات سَو دارالعلوم جن میں تقریباً ۲۵ ہزار طالب علم تعلیم پا رہے ہیں، آپ کی ذاتی کوششوں سے چل تو رہے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں اُن کی حالت کتنی خستہ ہے اور ان طالب علموں کو کس قدر مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ دیہاتی لوگوں کی ترقی کے لئے کوشش شروع کر دیں اور اُن کی خوش حالی کا باعث بن جائیں تو یقین جانیں کہ آپ کے انہی دارالعلوموں میں نہ صرف دس بیس گنا اضافہ ہوگا، بلکہ ان میں پچیس ہزار کے بجائے پچیس لاکھ طلبا نظر آئیں گے۔ اور انہی دارالعلوموں میں صنعت و حرفت، کھیتی باڑی، صحت، طب اور دیگر علوم و فنون کا دور دورہ ہوگا اور یہی دارالعلوم صحیح معنوں میں علم کے مرکز بن جائیں گے، اور آپ کا مقام ایسا ہی بلند و ارفع ہو جائے گا جیسا کہ اسلامی عروج کے وقت تھا۔ پھر آپ کی شان ہوگی۔ پھر آپ کی عزت ہوگی پھر آپ کا رُعب ہوگا۔ پھر آپ خوش حال ہوں گے، فارغ البال ہوں گے اور آپ کے دین کا بول بالا ہوگا۔"

پشاور یونیورسٹی سے ملحق یونیورسٹی ٹاؤن میں پاکستان اکیڈمی ترقی دیہات کی وسیع، خوبصورت اور مصفا عمارت ہے، جو بڑے ہی خوش منظر اور دلکش ماحول میں واقع ہے، علماء کا یہ اجتماع اسی عمارت میں ہوا۔ عام طور سے دوپہر تک مقالات کا پروگرام رہتا۔ کھانے اور نماز ظہر کے بعد تربیتی کورس ہوتے۔ حضرات شرکاء کو پشاور یونیورسٹی کے مختلف سائنسی شعبوں میں بھی لے جایا گیا، جہاں انہوں نے سائنس کے طریقۂ تعلیم کا ملاحظہ کیا۔

قدیم تعلیم اور جدید تعلیم والوں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے، ائمہ وخطباء مساجد کو نئی زندگی اور اُس کے تقاضوں سے متعارف کرانے اور دیہاتی زندگی کو بہتر بنانے میں اُن کو شریک کرنے کے سلسلے میں یہ پہلی کوشش تھی جو کی گئی۔ امید ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اور محکمۂ اوقاف اور پاکستان اکیڈمی اس کو اور آگے بڑھائے گی۔

المسوّیٰ من احادیث الموطّا (عربی)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ مشہور کتاب آج سے ۴۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں مولانا عُبید اللہ سندھی کے زیر انتظام چھپی تھی۔ اس میں جا بجا مولانا مرحوم کے تشریحی حواشی ہیں۔ مولاناؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کی الموطا کی فارسی شرح پر مؤلف امام نے جو مبسوط مقدمہ لکھا اس کتاب کے شروع میں اس کا عربی ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ولایتی کپڑے کی نفیس جلد۔ کتاب کے دو حصے ہیں

قیمت :- بیس ۲۰ روپے

مسئلہ وحدۃ الوجود میں راہِ اعتدال

مولانا عبدالحمید سواتی

ہست رب الناس را با جان ناس
اتصالے بے تکلیف بے قیاس

بود نقش نگار سا ہے کچھ صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ جو مہلت جسے کہے ہیں عمر دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ (میرؔ)

اس مسئلہ پر کچھ لکھنے سے بہت ڈر لگتا ہے کیوں کہ بہت دقیق، مشکل بلکہ اصعب المسائل ہے۔ لیکن جب صدیوں سے یہ مسئلہ بھی اہل نظر و فکر کے سامنے زیر بحث رہا ہے تو ہمیں بھی بادلِ نخواستہ بعض باتوں کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلے میں کافی افراط و تفریط واقع ہوئی ہے، ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس میں راہِ اعتدال کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

تمام کائنات مخلوق ہے یہ تو یقینی بات ہے لیکن یہ معلوم کیا جائے کہ اس کائنات کا اپنے خالق اور اللہ کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اور یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ اس لئے اس مسئلے کے سمجھنے سے بھی چارہ کار نہیں، اور مسئلہ کی اصل حقیقت کو بھی

بقدر استطاعت جاننا لازمی ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین کا ارشاد

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اس بارہ میں خوب کلام کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

"میں کہتا ہوں جیسا کہ ایک بے عقلوں کی جماعت اس مسئلہ (وحدۃ الوجود) کی فضیلت بیان کرنے میں راہ صواب سے ہٹ گئی ہے اور اس مسئلہ کی معرفت میں انہوں نے شریعت و ہدایت کے کمال کو منحصر سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح کچھ دوسرے بے سمجھ لوگوں کی جماعت اس مسئلہ کے انکار کرنے میں راہ صواب سے اس قدر دور جا پڑی ہے کہ اس مسئلہ کا انکشاف اور اس کے راز کا مشاہدہ ان کے نزدیک ایسے خیالات کی قسم سے ہے جو مواقع سے مطابق نہیں، اور اس مسئلہ کے قائلین کو وہ اس بات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ان کے مزاج میں سودا کا غلبہ ہے۔ اسی طرح کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ اس حال کو زندقہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ایک گروہ اس کو راہِ صواب سے قصور اور انحراف سمجھتا ہے۔ اور بعض اس کو خطائے اجتہادی کے قبیل سے خیال کرتے ہیں۔ الغرض کہ یہ لوگ طرح طرح کے اوہام باطلہ کا شکار ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ حقیقت بین کی نگاہ میں توحید ایمانی ہے۔ اس مسئلہ کا اسوۂ حسنہ اور نمونہ پہلے سے موجود ہے۔

طائفہ مرجئہ اس اصل ایمان کو کامیابی کے تمام مراتب میں کافی خیال کرتا ہے اور عذاب سے خلاص کلی کا باعث یا مکمل رہائی اسی کو سمجھتا ہے، اور مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں دیتی جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ اور خارجیوں کے گروہ نے اس کو اپنے اصل مقام سے بالکل ایسا ہی نیچے گرا دیا ہے کہ اس سے نجات مل سکے یا نارِ مؤبد سے رہائی ممکن ہو۔ بلکہ انہوں نے ارتکاب صغیرہ و کبیرہ کو کفر صریح شمار کیا ہے۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سی دوسری مخلوق کو راہِ راست سے گمراہ کیا۔ حق بات یہ ہے کہ جس طرح توحیدِ ایمانی نجات کے مراتب میں اصل ہے لیکن اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی امداد ضروری ہے اسی طرح توحیدِ عرفانی مراتب عرفان میں اصل ہے لیکن اس کے ساتھ عمدہ احوال کا تلبس بھی ضروری ہے اور ظاہر